مولانا علی میاں بحیثیت ادیب

ڈاکٹر خورشید رضوی☆

بیسویں صدی کے غروب کے ساتھ علم و ادب اور صلاح و تقوی کا وہ آفتابِ درخشاں بھی غروب ہو گیا جس کی رحلت عربی کے دو مشہور شعر یاد دلاتی ہے ۔ ایک عبدۃ بن الطبیب کا شعر:

فما کان قیسٌ ھلکه ھلك واحدٍ

ولکنّه بُنیان قومٍ تھدَّما (۱)

" قیس ایسا نہ تھا کہ اُس کے مرنے کو فرد واحد کا مرنا تصور کیا جا سکے وہ تو پوری ایک قوم کی عمارت تھی جو منہدم ہو گئی "۔

اور دوسرا ابو نواس کا شعر:

ولیسَ للّٰه بِمُستنکَرٍ أن یجمع العالَم فی واحد (۲)

" اللہ سے کچھ بعید نہیں کہ وہ ایک جہان کو ایک فرد میں سمو دے"۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت ایسی ہی جامع صفات شخصیت تھی ۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور ان کی رخصت ایک فرد کی نہیں ایک ادارے کی رخصت ہے ۔ مولانا کی کثیر الجہات شخصیت کا ایک پہلو ان کا ادبی پہلو ہے ۔

زہد و ورع کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق ایک ایسا امتزاج ہے جو نایاب نہیں تو بہت کمیاب ضرور ہے ۔ مولانا علی میاں کو یہ امتزاج ورثے میں ملا ۔ اُن کے پردادا سید عبدالعلی صاحب فقر و درویشی کے علاوہ شاعری میں بھی دستگاہ رکھتے تھے اور عربی، فارسی

☆ سابق صدر شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج لاہور

اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے(۳)۔

مولانا کے دادا حکیم سید فخر الدین صاحب طب اور علوم ظاہری میں یدطولی رکھنے کے ساتھ ساتھ ، شیخ طریقت بھی تھے، صاحب تصانیف بھی اور اردو فارسی اور ہندی کے صاحب دیوان شاعر بھی (۴)۔ مولانا کے والد گرامی سید عبدالعلی صاحب بھی طبیب ، عالم باعمل ، صوفی اور صافی تھے اور اردو ، فارسی اور عربی میں شعر بھی کہتے تھے (۵)۔ " جنۃ المشرق"، " معارف العوارف" اور " نزہۃ الخواطر " جیسی بلند پایہ عربی تصانیف کے علاوہ ایام علالت میں دل بہلانے کی غرض سے شعرائے اردو کا مشہور تذکرہ " گل رعنا " بھی ترتیب دیا (۶) جو اردو کی تاریخ ادب میں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے ۔

شغل بے کاری میں تارے توڑ لاتے ہیں یہ لوگ
دیکھئے اہلِ جنوں کو کچھ نہ کرنے دیجئے

ان کی عربی طرز تحریر کے بارے میں خود مولانا علی میاں رقم طراز ہیں کہ "وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی پوری ہزار سالہ علمی تاریخ میں ایسی سلیس و شگفتہ عربی زبان لکھنے والا (ہمارے علم میں) نہیں گزرا"۔ (۷) مولانا علی میاں کی والدہ ماجدہ، سیدہ خیر النساء ، بھی عابدہ، زاہدہ اور حافظہ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ مصنفہ و شاعرہ بھی تھیں ۔ ان کی مناجاتوں اور نعتوں کا مجموعہ " باب رحمت " کے نام سے ۱۹۲۵ء میں شائع ہو کر نہایت مقبول ہوا۔(۸)

اس علمی میراث کے سونے پر مولانا علی میاں کی ذاتی وسعتِ مطالعہ اور ریاضت نے سہاگے کا کام کیا اور آپ کے قلم نے اردو اور عربی دونوں زبانوں میں یکساں سلاست و سہولت سے روانی دکھائی اور ایک ایسا ادبی اسلوب پیدا کیا جس کی خوشبو مشرق سے مغرب تک پھیل گئی۔ دونوں زبانوں میں مولانا کی تصانیف کی فہرست صرف طویل ہی نہیں بلکہ اس اعتبار سے عریض و عمیق بھی ہے کہ ان کے موضوعات میں بلا کا تنوع ہے۔

اس فہرست میں " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" جیسی فکری تصانیف بھی ہیں جن کا متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوا ، سیرت مطہرہ پر وقیع کام بھی ہے ، سفرنامے بھی ہیں ، "تاریخ دعوت و عزیمت " کی ولولہ انگیز جلدیں بھی ہیں ، " پرانے چراغ " جیسے زندہ و

متحرک شخصی خاکے بھی ہیں ، " کاروان زندگی " جیسی تفصیلی آپ بیتی بھی ہے ، سید احمد شہید اور دیگر بزرگوں کے تذکرے بھی ہیں ، بچوں کے لئے " قصص النبیین" جیسا دل کش سلسلہ بھی ہے- اقبالیات پر " روائع اقبال " جیسی مؤثر کتاب بھی ہے جس نے دنیائے عرب میں اقبال کو متعارف کرانے میں بہت اہم کردار ادا کیا ، غرض موضوعات کی ایک دھنک ہے جس کے سب رنگوں میں ان کا قلم اپنی بہار دکھاتا ہے اور ہمواد ہی نہیں اپنے لطیف ادبی اسلوب سے بھی متاثر کرتا ہے۔

اردو ادب اور اس کی تاریخ پر مولانا علی میاں کی دقیق نگاہ کا ایک اندازہ کرنا ہو تو وہ بیس بائیس صفحے دیکھ لینا کافی ہو گا جو انہوں نے اپنے والدِ ماجد کی تصنیف " گل رعنا" پر بات کرتے ہوئے اور مولانا محمد حسین آزاد کی " آبِ حیات " سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے " حیات عبدالحیؒ" میں شامل کئے ہیں (۹)۔ اس تحریر کو دیکھ کر ذرا دیر کو تو یہی خیال ہونے لگتا ہے کہ مولانا کی عمر اسی دشت کی سیاحی میں گزری ہے اور وہ اسی کوچے کے آدمی ہیں ۔ ساتھ ہی امام شافعی کا یہ شعر یاد آتا ہے:

ولو لا الشعر بالعلماء یُزری لکنتُ الیومَ أشعر من لبید (۱۰)

" اگر یہ بات نہ ہوتی کہ شاعری اہل علم کے شایان شان نہیں تو آج میں لبید سے بھی بڑا شاعر ہوتا"۔

مولانا کا اردو میں صاحب اسلوب ہونا تو چنداں تعجب کی بات نہیں کہ اردو ان کے گھر کی لونڈی تھی ۔ مگر قرآن کی زبان سے ان کا شغف اس قدر بے پایاں تھا کہ مجھے تو بسا اوقات یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان کا عربی اسلوب نگارش خود ان کے اردو اسلوب کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں مبالغے کا احساس نہیں ہوتا کہ ان کی عربی تحریر پر اہل زبان رشک اور ہم فخر کر سکتے ہیں۔

مولانا کی عربی اس قدر سلیس ، خوش آہنگ، دل نشیں اور خواندنی(Readable) ہوتی ہے کہ کتاب ہاتھ میں لینے کے بعد ختم کئے بغیر رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

عربی سے مولانا کا شغف بچپن ہی سے شروع ہو گیا تھا ۔ سولہ سترہ برس کی عمر میں وہ اس قابل ہو چکے تھے کہ ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب نے سید احمد

شہید صاحب پر مولانا محی الدین قصوری کا ایک بسیط مضمون عربی میں ترجمے کے لئے انہیں دیا اور یہ ترجمہ اس وقت عالم اسلام کے وقیع ترین رسالہ " المنار " میں اشاعت کے لئے مدیر علامہ سید رشید رضا کو بھجوا دیا۔ علامہ نے اسے نہ صرف " المنار " میں بالاقساط شائع کیا بلکہ " ترجمة السيد الإمام أحمد بن عرفان الشهيد" کے عنوان سے علیحدہ رسالے کی شکل میں بھی اس کی اشاعت کا اہتمام کیا۔(۱۱)

اسی زمانے کے لگ بھگ پہلی بار ان کی ملاقات علامہ اقبال سے ہوئی اور انہوں نے علامہ کی نظم " چاند" کا عربی ترجمہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ علامہ نے اسے بغور دیکھا اور ان سے بعض عرب شعراء کے بارے میں چند سوال کئے تا کہ اس میدان میں ان کی معلومات اور مطالعے کا اندازہ ہو سکے۔(۱۲) شاید اقبال کو یقین نہ آیا ہو کہ یہ عربی ترجمہ واقعی اس سولہ برس کے لڑکے نے کیا ہے اور انہوں نے اطمینان کرنا چاہا ہو۔

مولانا علی میاں کو کلام اقبال سے زندگی بھر گہرا شغف رہا۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں جب وہ رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار میں شرکت کے لئے لاہور تشریف لائے تو کئی بار ان سے ملنے اور ارشادات سننے کا شرف حاصل ہوا۔ شخصیت کی اس پاکیزگی کے علاوہ جسے دیکھ کر خدا یاد آتا تھا مولانا کی شیریںئ گفتار اور ان کے ارشادات کے ادبی معیار نے بھی بہت متاثر کیا۔ وہ اپنے احساسات کی وضاحت کے لئے اقبال کے اشعار برجستہ اپنی گفتگو میں شامل فرماتے تھے۔ ایک موقع پر اقبال کے عمیق اسلامی احساسات اور عشق رسول ، ﷺ ، کے حوالے سے ان کا مشہور فارسی قطعہ:

بایں پیری رہ یثرب گرفتم
نواخواں از سرور عاشقانہ
چو آں طائر کہ در صحرا سرشام
کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ (۱۳)

کمال گرمی اور جوش کے ساتھ پڑھا اور وضاحت فرمائی کہ اقبال کی یہ تصویر کس قدر زندہ و حقیقی ہے اور کس طرح پایان عمر میں یہ احساس کہ زندگی مقیمِ آستانِ غیر ہونے میں گزر گئی، اس پرندے کے احساس سے مشابہ ہے جسے صحرا میں شام ہو جائے اور وہ تیزی

سے آشیانے کی طرف پر کشا ہونا چاہیے۔

عربی میں مولانا کے قلم کی روانی نے دنیائے عرب کو خوب خوب سیراب کیا۔ مثال کے طور پر دمشق سے نکلنے والے ایک ہی ماہنامہ " المسلمون" کی پچاس کی دہائی کی فائلیں اٹھا کر دیکھ لیجئے مصطفیٰ السباعی، عمر فروخ ، علی الطنطاوی ، شکیب اُرسلان، مصطفیٰ الزرقاء، محمود شلتوت ، سید قطب ، محمود محمد شاکر ، محمد البشیر الابراہیمی ، حسن البناء ، عبدالقادر عودہ ، محبّ الدین الخطیب اور محمد عزّہ دروزہ جیسے اہل زبان اہل قلم کے پہلو بہ پہلو مولانا ابو الحسن علی ندوی کی تحریریں تسلسل کے ساتھ ان صفحات کی زینت نظر آئیں گی بلکہ ان کا تناسب اور تسلسل دوسرے سب لکھنے والوں کی تحریروں سے زیادہ ہو گا۔ شاید ہی کوئی شمارہ ایسا نکلے جس میں مولانا علی میاں کی تحریر شامل نہ ہو۔

اسی رسالہ " المسلمون" کے چھٹے مجلّہ کے تیسرے شمارے میں مولانا کے نام شیخ علی الطنطاوی کا وہ کھلا خط شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے کمال محبت و لجاجت کے لہجے میں مولانا سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ عالم عرب کو کلام اقبال کے صحیح ذائقے سے روشناس کرائیں کہ اب تک کے عربی تراجم یہ کام نہیں کر سکے۔ شیخ علی الطنطاوی نے لکھا:

" فهل تُضيف يا أخي ! يا أبا الحسن إلى مآثرك هذه المأثرة فتفتح للعرب كوّة على هذه الروضة المحجبة أو تحمل إليهم زهرات منه فتحسن بذلك إلى العرب و باكستان وإلى الأدب والإسلام" (۱۴)

" سو اے بھائی ، اے ابوالحسن کیا تم اپنے فضائل میں اس ایک فضیلت کے اضافے سے ممنون کر سکو گے کہ اس پوشیدہ چمن کی جانب ، عربوں کے لئے ایک روزن کھول دو یا اس میں سے کچھ پھول چُن کر انہیں لادو اور یوں عربوں کے ساتھ اور پاکستان کے ساتھ اور ادب اور اسلام کے ساتھ ایک نیکی کرو"

اس کے جواب میں اس خلق کریمانہ نے مولانا کے سینے میں جوش مارا جو نجیبوں کی طبیعت کا خاصہ ہے ۔ خود انہی کے الفاظ سنئے جو عربی میں ان کے سلیس بلیغ اور دل نشیں اسلوب کی ایک مثال بھی ہیں:

" وقد صادف هذا الاقتراح منى هوى ونشاطا و أثار القريحة التى خمدت و فترت من زمان. فترجمت قصيدته البديعة " فى مسجد قرطبة " فى جلسة واحدة. وشعرت باستعداد فى نفسى و رغبة لذيذة فى الترجمة لا أستطيع لها دفعا. و جاء ت المقالات تترى و نُشرت فى بعض المجلات العربية الإسلامية ..."(۱۵)

" اس تجویز سے میرے دل میں ایک آرزو اور امنگ جاگ اٹھی اور مدتوں کی بجھی ہوئی افسردہ طبیعت نے جوش مارا اور میں نے ، ایک ہی نشست میں اقبال کی بے مثل نظم " مسجد قرطبہ" کا ترجمہ کر ڈالا اور مجھے اپنے دل میں ایک ایسی آمادگی اور ترجمے کے لئے ایسی پر لطف رغبت کا احساس ہوا جسے ٹالنا میرے لئے ممکن نہ رہا۔ مضامین پے بہ پے وارد ہوتے چلے گئے اور بعض عربی اسلامی رسالوں میں شائع ہوئے"۔

یہی وہ مضامین تھے جنہوں نے مولانا کی معرکے کی کتاب " روائع اقبال" کی شکل اختیار کی دیار عرب میں اقبالیات کے تعارف میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا اور عرب نوجوانوں میں بہت مقبول ہوئی ۔ یہاں پھر مولانا ہی کا ایک عربی اقتباس لانا چاہوں گا کہ یہ اقتباسات " مشک آنست کہ خود ببوید" کے مصداق میرے موضوع کی مضبوط ترین دلیل فراہم کرتے ہیں۔ کتاب کی تیسری اشاعت کے پیش لفظ میں بطور تحدیث نعمت مولانا نے لکھا:

" وقد تلقّى هذا الكتاب بقبول عظيم وكان من كتب الشباب المسلمين المثقفين الحبيبة الأثيرة المفضلة. فكثرت قراءتهم له وعنايتهم به ، حتى وعته ذاكرتهم وذلّت به ألسنتهم و أقلامهم و حفظ كثير منهم قطعا و صفحات من الكتاب وكثر اقتباسهم منه واستشادهم به فى أحاديثهم و مقالاتهم" (۱۶)

" اس کتاب کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی اور یہ پڑھے لکھے شائستہ مسلمان نوجوانوں کی پسندیدہ کتاب ٹھہری جسے وہ ترجیحی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے اسے خوب پڑھا اور اس پر خوب توجہ دی تا آنکہ یہ ان کے حافظے پر نقش ہو گئی اور زبان و قلم پر رواں ہو گئی۔ بہت سوں نے

اس کے ٹکڑے کے ٹکڑے اور صفحوں کے صفحے زبانی یاد کر لئے اور اپنی گفتگو اور تحریروں میں جا بجا اس کے اقتباسات لانے اور اس سے استشہاد کرنے لگے"۔

مولانا کے مندرجہ بالا دو اقتباسات ہی - جو از خود سیاق کلام میں آگئے ہیں، چن کر نہیں لائے گئے - ان کے اس فطری و برجستہ ، شستہ و رفتہ عربی اسلوب کی آئینہ داری کے لئے کافی ہیں جس میں کسی مشاطگی کے بغیر فطرت کی حنا بندی کا حُسن ، نگاہوں کو خیرہ نہیں کرتا بلکہ دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے ۔ " قراء تهم له"، " عنايتهم به " اور "اقتباسهم منه " جیسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں صلات کی صحت کا اہتمام لائق توجہ ہے ۔ مولانا کے اسلوب کی یہ سادگی و پرکاری سہل ممتنع کی سادگی و پر کاری ہے جو دیکھنے میں بڑا آسان مگر حقیقت میں بہت ریاضت طلب ہوتا ہے۔

مولانا کے عربی نگارشات میں جا بجا ایسے جملے آجاتے ہیں جو عربوں کے قدیم ادب و ثقافت میں رچے ہوئے اور ٹھیٹھ عربی سلیقۂ کلام میں ڈھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں ایک ٹھیٹھ عرب کی طرح عربی ہی میں سوچا گیا ہے چنانچہ ان کا ترجمہ کرنا ان کے لطف کو برباد کر دینے کے مترادف معلوم ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر حضرت علی کرم اللہ وجھہ کی سیرت پر مولانا اپنی عربی تصنیف " المرتضی" کے دیباچے میں یہ بیان فرماتے ہوئے کہ میرے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کی یہ فرمائش تھی کہ میں حضرت علی کی سیرت پر قلم اٹھاؤں ، کہتے ہیں:

" قال لی ذلك و قوسی موتّرة و فرسی مسرجة فی میدان التألیف و الکتابة " (۱۷)

" یہ بات انہوں نے مجھ سے اس زمانے میں کہی جب تصنیف و تالیف کے میدان میں میرے گھوڑے پہ زین اور میری کمان میں تانت خوب کسی ہوئی تھی"

گویا ، اردو کے محاورے میں:

یہ قصہ ہے تب کا کہ آتش جواں تھا

اب اس " قوسی موترة و فرسی مسرجة " کا لطف اٹھانے اور داد دینے کے لئے

عربی ادب کا ذوق اور ایسا جملہ لکھنے کے لئے برسوں کی ریاضت درکار ہے۔

بچوں کے لئے لکھنا بچوں کا کھیل نہیں بلکہ بڑوں کے لئے لکھنے سے بدرجہا زیادہ مشکل ہے ۔ مولانا علی میاں نے بچوں کے لئے عربی زبان میں " قصص النبیین " کے عنوان سے پانچ حصوں میں ، انبیائے کرام ، علیہم السلام کی کہانیوں پر مشتمل جو سلسلہ تحریر کیا ہے وہ ان کے ادیبانہ کمال کی توثیق مزید ہے ۔ " قصص النبیین " مولانا نے ، ابتداءاً ، اپنے برادر زادے کے لئے لکھنا شروع کی جس نے عربی میں ابتدائی استعداد حاصل کر لی تھی ۔ لیکن یہ وہی " خطاب بہ جاوید- سخنے بہ نژادنو " والا معاملہ تھا کہ ایک بچے کے پردے میں ساری ملت کے بچوں کے لئے ایک سرمایہ تیار کیا جا رہا تھا۔ مولانا نے پہلے حصے کے پیش لفظ میں لکھا:

" ابن أخی العزیز

أراك حریصا علی القصص والحکایات . وکذلك کل طفل فی سنك . تسمع هذه القصص بکل رغبة و تقرأها بکل رغبة . ولکنی أتأسف لأنی لا أری فی یدك الا حکایات السنانیر والکلاب والأسد والذئاب والقردة والدباب. وعلینا العهدة فی ذلك . فذلك هو الذی تجده مطبوعاً"۔(۱۸)

" عزیز بھتیجے

میں دیکھتا ہوں کہ تم قصے کہانیوں سے بہت شغف رکھتے ہو ۔ تمہاری عمر کے ہر بچے کا یہی حال ہے ۔ تم یہ کہانیاں کمال شوق سے سنتے اور کمال ذوق سے پڑھتے ہو ۔ مگر مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں تمہارے ہاتھ میں بلی کتوں ، شیر ، بھیڑیوں اور بندروں ریچھوں کی کہانیاں ہی دیکھتا ہوں۔ اور اس کے ذمے دار ہم ہیں کیونکہ تمھیں یہی کچھ چھپا ہوا ملتا ہے۔

" قصص النبیین" میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات کو نہایت سادہ مگر از حد دل کش پیرائے میں چھوٹے چھوٹے جملوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اور بعض الفاظ کی تکرار اسی طرح کی گئی ہے اس سے تاثر بھرپور ہو گیا ہے مگر اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی ۔ پانچوں حصوں

فخراً أن يُوفقه الله فيؤلف كتبا للخاصة ، تعلو و تدقّ ، و تتسع و تعمق ، و تسير بين القارئين الكبار فتشرّق و تغرّب بعد أن ازدانت بالفكرة السلمية و الأسلوب الرفيع والتخليق السامى ؛ ثم يوفقه الله أيضا إلى أن يثرب بعبارته السهلة و بيانه الرقيق أهداف القصة القرآنية إلى عقول الناشئة المسلمة ، " ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء و الله ذوالفضل العظيم".(٢٠)

" اللہ نے ہمارے فاضل بھائی سید ابوالحسن کو جو صلاحیتیں عطا کی ہیں مجھے ان کی توصیف میں طول کلام کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ وہ صلاحیتیں ہیں کہ جن پر کریموں کو رشک اور لئیموں کو حسد ہوتا ہے ۔ اس سے بڑھ کر فخر کی کیا بات ہو گی کہ اللہ کی توفیق سے وہ خواص کے لئے کتابیں لکھتے ہیں جن میں بلندی اور باریکی اور وسعت اور گہرائی ہوتی ہے اور وہ ، بڑوں میں خوب رواج پاتے ہوئے ، سلامتی فکر ، رفعتِ اسلوب اور بلند پروازی سے آراستہ مشرق و مغرب میں پھیل جاتی ہیں۔ پھر اللہ ہی کی توفیق سے وہ اپنی سہل عبارت اور لطیف بیان سے قرآنی کہانی کے مقاصد کو مسلمانوں کی نئی نسل کے ذہنوں کے قریب لے آنے کا کام بھی کر دکھاتے ہیں ۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔

اس حصے میں مولانا نے کہانیوں کے بین السطور کچھ تاریخی و تفسیری اشارات بھی بڑے سلیقے سے سمو دیئے ہیں جن کے بارے میں بچوں کے متجسس ذہنوں میں سوال ابھر سکتے تھے۔ مثال کے طور پر یہ سوال کہ بت پرستی کا آغاز کیوں ہوا۔ مولانا نے اس کی نفسیاتی وجوہ کو کمال تدریج کے ساتھ تصویر ، تمثیل اور صنم پرستی کے مراحل کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے بڑی سادگی سے یہ واضح کر دیا ہے کہ ، بقول اقبال:

ذوق حضور در جہاں رسم صنم گری نہاد
عشق فریب می دید جان امیدوار را (٢١)

مولانا کے دل کش عربی اسلوب کو دیکھ کر میرے دل میں یہ تجسس پیدا ہوتا تھا

کے اسلوب میں تدریج (Gradation) کا لحاظ رکھا گیا ہے ۔ چنانچہ حصہ اول میں جملے بہت مختصر اور تکرار زیادہ ہے ۔ رفتہ رفتہ تکرار کم ہوتی جاتی ہے ۔ جملے لمبے اور عبارت رواں ہونے لگتی ہے اور ذخیرۂ الفاظ میں دبے پاؤں کچھ ایسے الفاظ بھی شامل ہونے لگتے ہیں جو اگر آغاز میں آتے تو مشکل معلوم ہوتے ۔ قرآنی آیات کو جا بجا کہانی کے سیاق میں جوں کا توں کھپا دیا گیا ہے ۔ مثال کے طور پر پہلے حصے میں جب وہ واقعہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑ کر کلہاڑی بڑے بت کی گردن میں لٹکا دی تو مَن فَعَلَ ہٰذا ؟ (یہ کس کا کام تھا)کے عنوان سے کہانی یوں آگے بڑھتی ہے:

" ورجع الناس و دخلوا فی بیت الأصنام.

و أراد الناس أن یسجدوا للأصنام لأنه یوم عیدٍ.

ولکن تعجب الناس و دهشوا.

و تأسف الناس و غضبوا.

قالوا: (من فعل هذا بآلهتنا)؟.

(قالوا: سمعنا فتی یذکرهم یقال له إبراهیم).

(قالوا: أ أنت فعلت هذا بآلهتنا یا إبراهیم)

(قال : بل فعله کبیرهم هذا فاسئلوهم إن کانوا ینطقون)(۱۹)

ملاحظہ فرمائیں آخری کئی سطور قرآنی متن پر مشتمل ہیں ، جنہیں کمال چابکدستی سے کہانی کا حصہ بنا کر بچوں کے لئے مطالعہ قرآن کی راہ ہموار کر دی گئی ہے کہ جب وہ یہی الفاظ وہاں پڑھیں گے تو ان کے دل و دماغ کے لئے یہ بات یاد کی خوشگوار سنسنی (nostalgic thrill)کی حیثیت اختیار کر جائے گی ۔ ادب کے لئے نفسیات دانی اور بلاغت کے لئے کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا جس انداز میں ضروری ہے اس کا اظہار " قصص النبیین" میں بڑی خوبی سے ہوتا ہے ۔ کتاب کے دوسرے حصے کے حرف آغاز میں ازہری استاد احمد الشرباصی نے بہت خوب کہا ہے :

" ولست محتاجا إلی الإفاضة فی الإشادة بما وهب الله لأخینا المفضال السید أبی الحسن من مواهب یُغبط علیها عند کرام الرجال و یُحسد علیها عند لئامهم. فحسبه

کہ ان کے پسندیدہ عرب ادیب کون کون سے ہیں ۔ ۱۹۹۷ء میں جب ان سے ملاقات کا موقع ملا تو میں نے یہ سوال کر ہی ڈالا۔ انہوں نے فوری طور پر دو نام لئے، ایک سید قطب اور دوسرے ڈاکٹر احمد امین۔ " قصص النبیین " کے تیسرے حصے کا دیباچہ سید قطب کے قلم سے ہے اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا علی میاں کے پسندیدہ ادیب نے ان کے کام پر رائے دی ہے:

" ولقد قرأت الكثير من كتب الأطفال – بما فى ذلك قصص الأنبياء عليهم الصلوات والسلام – وشاركت فى تأليف مجموعة " القصص الدينى للأطفال" فى مصر ، مأخوذاً كذلك من القرآن الكريم – ولكنى أشهد فى غير مجاملة – أن عمل السيد أبى الحسن فى هذه القصة التى بين يدي ، جاء أكمل من هذا كله ...(۲۲)

" میں نے بچوں کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں جن میں انبیاء علیھم الصلوات والسلام کی کہانیاں بھی شامل ہیں ۔ میں نے خود بھی مصر میں "بچوں کے لئے کہانیاں" کے عنوان سے ایک مجموعے کی تالیف میں شرکت کی ہے جو اسی طرح قرآن کریم سے ماخوذ تھا۔ لیکن میں کسی لگی لپٹی کے بغیر یہ کہتا ہوں کہ اس کہانی میں جو میرے سامنے ہے ، سید ابو الحسن کا کام اس سارے کام سے بڑھ کر مکمل ثابت ہوا ہے "۔

مولانا علی میاں ادب لکھتے ہی نہیں تھے ادب بولتے بھی تھے۔ مثال کے طور پر ان کی تقاریر کا وہ مجموعہ ہی دیکھ لیجئے جو " حدیث پاکستان" کے عنوان سے شائع ہوا(۲۳)۔ اور جس میں ان کے ۱۹۷۸ء کے دورۂ پاکستان کے دوران مختلف اجتماعات ، جامعات اور مدارس میں کی گئی تقاریر کا ریکارڈ ہے ۔ ان تقریروں میں بھی ویسی ہی برجستگی اور ادبی شان نظر آتی ہے جو مولانا کی تحریروں کا خاصہ ہے ۔

اپنی اس تشنہ و عاجلانہ سی تحریر کو ختم کرنے سے پیشتر ایک بات عرض کر دینا برمحل معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک ادبی صلاحیت سمیت تمام انسانی مواھب کا کمال اسی بات میں مضمر ہے کہ انہیں حق اور اس کی اعلی اقدار کے فروغ کا وسیلہ بنایا جائے ۔ ۱۹۹۷ء میں انہوں نے لاہور میں اپنے ایک خطاب کے دوران کمال جوش و خروش کے عالم

میں علامہ اقبال کے یہ اشعار پڑھے:

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا

جس سے دل دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا (۲۴)

☆☆☆

حواشی

۱۔ دیوان الحماسۃ ، باب المراثی دوسرا قطعہ

۲۔ دیوان أبی نواس ، تحقیق: احمد عبدالمجید الغزالی ، دار الکتاب العربی ، بیروت ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء ، ص، ۴۵۴

۳۔ سید ابوالحسن علی ندوی ، حیات عبدالحیؒ ، اردو مراٹھی پرکاشن ، پونہ (بھارت)، بار دوم ۱۹۸۸ء ، ص،۲۸،۶۶

۴۔ ایضاً ، ص۳۵، ۳۶

۵۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ، دانش گاہ پنجاب ، لاہور ، ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء ، ۱۲/۸۵۵-۸۵۷

۶۔ سید عبدالحی ، مولانا حکیم ، تذکرۂ شعرائے اردو موسوم بہ گل رعنا ، باہتمام مسعود علی ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ، طبع چہارم ۱۳۷۰ھ ، ص۳(دیباچہ).
نیز دیکھئے ، حیات عبدالحی ، ص۲۳۳

۷۔ حیات عبدالحیؒ ، ص۲۵۷

۸۔ سید ابوالحسن علی ندوی ، ذکر خیر ، مجلس نشریات اسلام ، کراچی ، بار سوم ، ۱۳۹۷ھ /۱۹۷۷ء ، ص۲۲، ۲۳، ۴۶، ۴۷

۹۔ حیات عبدالحیؒ ، ص۳۱۷-۳۴۰

۱۰۔ دیوان الشافعی ، تحقیق: محمد عفیف الزعبی ، دار النور ، بیروت ، ۱۳۹۱ھ /۱۹۷۱ء ، ص۳۹

۱۱۔ حیات عبدالحیؒ ، ص۹ (پیش لفظ)

۱۲۔ ابو الحسن علی الندوی ، روائع اقبال ، مجلس نشریات اسلام ، کراچی ، الطبعۃ الرابعۃ ، ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء ، ص۷

۱۳۔ کلیات اقبال فارسی ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ص۹۰۶

۱۴۔ روائع اقبال ، ص ۱۵

۱۵۔ ایضاً ، ص۱۵، ۱۶

۱۶۔ ایضاً ۃ آغاز کتاب (صفحہ ندارد)

۱۷۔ ابو الحسن علی الندوی ، المرتضی ، دار القلم ، دمشق ، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء ، ص۸

۱۸۔ ابو الحسن علی الندوی ، قصص النبیین ، مجلس نشریات اسلام ، کراچی (س.ن) ۱/۳

۱۹۔ ایضاً ، ۱/۱۰، ۱۱

۲۰۔ ایضاً ، ۲/۵

۲۱۔ کلیات اقبال فارسی ، ص۶۳۶

۲۲۔ قصص النبیین ، ۳/۴

۲۳۔ سید ابو الحسن علی الندوی ، حدیث پاکستان ، مجلس نشریات اسلام ، کراچی ۱۹۷۹ء

۲۴۔ کلیات اقبال اردو ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ص۵۸۰-۵۸۱

☆☆☆